رہنما اور قائد جس سیرت کا ہوگا وہ ہی سیرت قوم میں پیدا ہوگی۔ گندم از گندم بروید جو ز جو۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قائد کیلئے حسب ذیل شرائط تحریر فرماتے ہیں "قائد ایسا منتخب کیا جائے جو عبادات اور تقرب الی اللہ کے اعتبار سے عامۃ الناس سے افضل ہو، صاحب الرائے فقیہ اور فعال ہو۔ تن آسان نہ ہو۔ صاحب مروت ہو۔ کبائر سے مجتنب ہو صغائر پر مصر نہ ہو۔ سیاسیات میں مہارت رکھتا ہو۔

استدراک

از مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی

محترم جناب حافظ محمد یوسف صاحب انصاری ایک نہایت مخلص، ایثار پیشہ، اور اسلام کا درد رکھنے والے بزرگ ہیں، بلقان کی جنگ میں ڈاکٹر انصاری مرحوم کے وفد کے رکن کی حیثیت سے ترکی جہاد میں اہم خدمات انجام دے چکے ہیں، تحریک خلافت میں کامیاب سرکاری ملازمت ترک کرکے معاشی زندگی کے سلسلہ میں بہت بڑی قربانی پیش کر چکے ہیں اور ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ جدید و قدیم علوم میں سنجیدہ معلومات کے حامل ہیں آپ کا یہ مضمون بہت سے نقاط کے اعتبار سے قابل قدر اور لائق توجہ ہے۔ لیکن اس میں چند باتیں ایسی ہیں جن سے اعلانِ بیان کو سنجیدگی کے ساتھ اختلاف ہے۔ بنابریں حافظ صاحب کے مضمون کے ساتھ یہ چند سطور سپرد قلم کی جاتی ہیں۔

حافظ صاحب کے مضمون میں جس مسئلہ پر قلم اٹھایا گیا ہے اسکو ایسے مسلّم الثبوت اور ناقابل انکار مقدمات کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے جن سے زیر بحث مسئلہ پر روشنی پڑنے کے ساتھ ساتھ غلط فہمی پیدا ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔ حافظ صاحب کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ مذہبی اور عقلی نقطہ نظر سے کسی قوم کی سربلندی کیلئے صرف اخلاقی برتری اور اجتماعی حیثیت کافی ہے اور یہ کہ اکثریت فی نفسہ کوئی اہم شے نہیں، بلکہ اکثر اوقات قوموں کی قوت فکر و عمل میں ستر راہ اور باعث تفرقہ بنجاتی ہے اور قلت تعداد باعث خطر یا موجب نکبت نہیں ہے بلکہ بیشتر حالات میں برتری اقوام کا سبب اور ذریعہ

منتی ہوتی ہو حافظ صاحب نے اپنے نظریہ کی استشہاد میں قرآن عزیز کی آیات اور تاریخی وقائع کو پیش فرما کر انکو زیادہ محکم اور مضبوط بنانے کی سعی فرمائی ہے

ہم حافظ صاحب کے ان معقولات کو بغیر کسی بحث و نظر کے تسلیم کرتے ہیں کہ کسی قوم کی بہتری اور اس کے تفوق و اقتدار کیلئے اور کوئی نظریہ کار فرما ہو تو ہو لیکن مسلمانوں کے مذہبی نشو و نما اور سیاسی اقتدار کی بہتری اسوقت تک ناممکن ہے جبتک ان میں اخلاقی سربلندی اور اجتماعی وحدت [illegible] کا رشتہ اور عوام کی زندگی میں اسکے پیدا ہونے کیلئے ضروری ہے کہ یہ دونوں وصف انکے ارباب حل و عقد کا مستقل شعار بن جائیں۔

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (انفال) اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ایسا کروگے تو تمہاری طاقت سست پڑ جائیگی اور ہوا اکھڑ جائیگی۔

إِنِّي بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ میں اسلئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق کریمانہ کی تکمیل کروں۔

مگر اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ بدقسمتی سے اگر مسلمان کسی ملک میں حکومت و اقتدار اعلیٰ سے محروم ہوں اور وہ ملک مختلف اقوام و مذاہب کا گہوارہ ہو اور اسکا دستور و آئین بھی اسی قسم کی جمہوریت کے طرز کا ہو یا اپنے وطن اور ملک کی آزادی کے بعد اسی قسم کے دستور و آئین سے انکا سابقہ پڑ جائے تو انکا اقلیت و اکثریت کی بحث میں الجھنا اور اقتدار اعلیٰ میں اپنے حق اقتدار کو سربلند دیکھنے کیلئے اس قسم کے سوالات اٹھانا اسوجہ سے ناجائز قرار پائے کہ ہم میں وحدت اجتماعی نہیں یا اخلاقی یا اسلامی نقطۂ نظر سے ہمارے اخلاق میں پستی آ چکی ہے یا اپنی اکثریت پر گھمنڈ کر کے کوئی کام کرنا اور خدا کے فضل کو بھول جانا یا اپنی اقلیت سے گھبرا کر اسلام کے خلاف امور پر آمادہ ہو جانا اور اسطرح خدائے تعالیٰ کو ناراض کر کے کامیابی کی راہیں تلاش کرنا یقیناً غلط اور گمراہی ہے۔

چنانچہ سورۂ مدثر میں کافروں کے اسی نظریہ کی تردید کی گئی ہے کہ جنگ میں ہر جگہ کثرت تعداد کو کامیابی کی کلید سمجھنا گمراہی ہے نیز اس نکتہ کی نشاندہی کہ اگر ایک جانب خدا کی نافرمانی اور اسکے احکام کی خلاف ورزی میں کثرت تعداد فوج اور ہتھیار کی شکل میں نظر آتی ہو اور دوسری جانب خدا کے فرمانبردار اور اہل حق بہت تھوڑے نظر آتے ہوں تو وہاں کثرت کو حق سمجھنا اور قلت کو بوجہ قلت تعداد کے ناحق سمجھنا بہت بڑی غلطی اور سخت گمراہی کا باعث ہے۔ مولانا عثمانی رحمہ اللہ نے بھی فوائد میں اسی کی وضاحت فرمائی ہے۔ اسی طرح سورۂ انفال اور دوسری ان آیات میں جو جہاد کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں یہ بتایا گیا ہے کہ کسی بھی نظریہ وقت خدا و رسول کی اطاعت اور امر حق کی سربلندی پیش نظر ہونی چاہئے اور طریق کار میں اسکے فضل کو کبھی نہ بھولنا چاہئے نیز مخالفین کی کثرت اور اپنی قلت کی صورت میں بھی ناامیدی یا ہمت ہارنے نہ پائے اور اپنی کثرت اور مخالف کی قلت کی حالت میں بیجا گھمنڈ سامنے نہ آنے پائے لیکن ان آیات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیوی اسباب و وسائل اور جائز وقتی اور برمحل تدابیر کو یکسر بھلا دینا چاہئے اور اقلیت و اکثریت کے مسئلہ کو ہیچ سمجھ کر مطلق نظر انداز کر دیا جائے

الگ کیا کرنا اپنے کاندھوں کو سخت نقصان پہنچانے اور اپنی اجتماعی زندگی کو خطرہ میں ڈالنے کے مرادف ہے چنانچہ آیت واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل (انفال) اور تم (دشمنوں کے مقابلہ میں) حسب استطاعت تیاری کرو طاقت اور جہاد کی تیاری کیلئے گھوڑوں کے باندھنے کے ذریعہ" اسی جانب اشارہ کرتی ہے کہ اسباب ظاہری توکل، خود اعتمادی اور وحدت اجتماعی یا اخلاقی برتری کیلئے ممد و معاون ہیں نہ کہ مخالف،

پس اگر کسی جگہ اکثریت و اقلیت کی بحث بھی ظاہری ساز و سامان کے اعتبار سے ضروری ہو تو اسکو کیوں زیر بحث نہ لایا جائے بہر حال ان آیات کا اس مسئلہ سے دور کا بھی علاقہ نہیں ہے کہ اسباب ظاہری میں ہم کو ایک اکثریت کے مقابلہ میں اپنے اقتدار اور اپنی آزادی سے متعلق کچھ نہ سوچنا چاہئے ۔

بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں "عدم تشدد" کا طریق کار اور مدنی زندگی میں "جہاد بالسیف" کا عملی نظام نیز آیۃ الآن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا فان یکن منکم صابرۃ یغلبوا مائتین " (انفال) اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کی اور معلوم کر لیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے تو اگر تم میں کے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہونگے تو دو سو پر غالب آ جائیں گے"

میں ایک مسلمان کا دس کافروں کے مقابلہ میں پیٹھ نہ دکھانا منسوخ ہو کر دو گنے کافروں پر غالب رہنے کی دعوت دینا اس بات کی شہادت ہے کہ معرکہ قتال میں بھی فی الجملہ اکثریت و اقلیت کا لحاظ ضروری سمجھا گیا ہے البتہ مسلمانوں کو یہ تلقین ضرور کی گئی ہے کہ وہ ہر معاملہ میں اسباب و وسائل کو صرف اسباب و وسائل سمجھیں اور کامیابی کا راز صرف خدا کے فضل و کرم سے وابستہ رکھیں اور صرف اسی پر بھروسہ کریں لیکن آئین و دستور کی بحث میں مسلمانوں کا اقلیت و اکثریت کی بحث کو درمیان میں لانا ان اقوال و بیانات کے منافی نہیں ہے جو حافظ صاحب موصوف نے دنیا کی اولوالعزم شخصیتوں کے حوالہ سے نقل فرمائے ہیں اور جن میں بتایا گیا ہے کہ کامیابی کا راز اقلیت و اکثریت پر نہیں ہے بلکہ ہمت و بسالت، یکجہتی، ایثار و قربانی اور پارٹی کی یکرنگی پر ہے ۔

اسلام کی مقدس تعلیم اور صدیقی و فاروقی دور خلافت کی عملی زندگی میں وہ سب کچھ موجود ہے جس میں دنیا اطمینان کی قرآن السعدین نظر آتا ہے پس اگر ایک جانب وہاں وحدت اجتماعی اور اخلاقی برتری نظر آتی ہے تو دوسری جانب اسلامی حدود میں رہکر ظاہری اسباب و وسائل ترقی کا استعمال بھی اجتماعی زندگی کا اہم جز نظر آتا ہے کمیونسٹوں (اشتمالیوں) کی مثال اس موقعہ کیلئے بھی برمحل نہیں ہے کہ اقلیت کے باوجود انکی کامیابی کا معاملہ اسوقت پیش آیا جبکہ جنگ عظیم میں زار روس کی حکومت کے خاتمہ کے اسباب مہیا ہو گئے اور انقلابی جماعت نے ملک کی اکثریت کو اپنا ہمنوا بنا کر عام انقلاب پیدا کر دیا یہ نہیں ہوا کہ ملک کے آئین و دستور میں حق ملنے کے ذریعہ اقلیت نے اکثریت کو ختم کر دیا ۔ اور اکثریت والوں کیلئے قتل و غارت کیلئے کامیابی کا باعث بن گئی ۔ ۔ ختم حضرت حافظ صاحب نے مسلمانوں کو یہ تلقین فرمائی ہے کہ دشمنوں کی تقلید میں بداخلاقی کو طریق کار نہ بنائیں بلکہ عدل کا تقاضا انفرادی کو اپنا شعار بنائیں کیونکہ اسلامی تعلیم کا خصوصی امتیاز ہے ۔ سو ہم اس ارشاد کی حرف بحرف تائید کرتے ہوئے مختصر سا اضافہ چاہتے ہیں کہ عدل و دیانت کو شعار بناتے ہوئے مسلمان کا یہ بھی اسلامی فرض ہے کہ جسطرح وہ "ظالم" نہ ہو اسی طرح دوسرے کے "ظلم" کا شکار بھی نہ بنے ۔ فقط